نظریہ، جغرافیہ اور پاکستانی ثقافت

ڈاکٹر محمد نعیم، شعبۂ اُردو، سرگودھا آف یونیورسٹی، سرگودھا

Abstract

After the advent of Pakistan, Urdu writers initiated a long debate about its national Culture. This essay explores the two major tropes of this debate, usually called ideational and geographical approaches.

اس مضمون میں ثقافت کے حوالے سے اردو کے دو بڑے رجحانات کا جائزہ لیا جائے گا: ایک نقطۂ نظر ثقافت میں 'عقیدے' کو مرکزی اہمیت دیتا ہے، دوسرا ثقافت کی تعمیر میں 'جغرافیے' کی اہمیت جتانا چاہتا ہے۔ان بحثوں کو سمجھنے کے لیے، ہم قومیت پسندی (Nationalism) کے ان ادوار کو نظر میں رکھیں گے، جن کی وضاحت کلفرڈ گیرٹز (Clifford Geertz) نے کی ہے۔اس نے تاریخی اعتبار سے استعماریت کے زیر اثر رہنے والی اقوام میں قومیت کے چار ادوار کی نشاندہی کی ہے: پہلا (Crystallization) یک جہتی کا دور، جس میں مختلف اور متنوع گروہوں کے مابین علامتی اشتراک پیدا کر کے ان کو ایک قوم کی صورت مجتمع کیا جاتا ہے؛ دوسرا فتح کا دور ہے، جب قومیت پسند اجتماعی جدوجہد سے استعماریوں پر فتح حاصل کر لیتے ہیں؛ تیسرا دور ریاست کی تنظیم کا ہے، جس میں قومیت پسند خود کو ریاست کی صورت منظّم کرتے ہیں اور چوتھا دور اس نظم کا استحکام ہے، جس میں اپنی قوم کے دیگر ریاستوں کے ساتھ اور اپنے پرانے 'غیر مرتب' سماجوں کے ساتھ تعلق کا تعین کیا جاتا ہے۔(۱) اردو میں پاکستان بننے کے بعد سامنے آنے والی ثقافتی بحثوں کے ذریعے پاکستانی دانشوروں نے ماقبل سماجوں سے اپنے تعلق کی نوعیت واضح کرنے کی کوشش کی۔ یہ بحثیں جہاں اس بات کا تعین کرنے کی کوشش تھیں، کہ آئندہ پاکستان کا تشخص کیا ہوگا، وہیں یہ ماضی کے عناصر میں سے چند ایک کے انتخاب سے اِس تشخص کی جڑیں تشکیل دینے کی کوشش بھی تھیں۔ ماضی اور تاریخ، حال کا تصور ہوتے ہیں، کہ انھیں کس زاویے اور کس مقصد سے دیکھا گیا ہے۔ان کی تعمیر میں حال کی ضرورتیں اپنا حصہ اس طرح ڈالتی ہیں، کہ واقعات کا انتخاب اور ان کی تعبیر حال کی ضرورتوں سے متعین ہوتے ہیں۔اردو میں پاکستانی ثقافت کے حوالے سے جو مباحث اٹھے، وہ اس تعین سازی کی کوشش تھے کہ 'ماضی' کون سا ہے؟ کس ماضی کو اپنایا جا سکتا ہے؟ اور کسے رد کرنا ہے؟ 'موجودہ' کی تشکیل کے لیے تاریخ کے کن واقعات کا سہارا لیا جا سکتا ہے، جس سے حال کا 'تعین' ہو سکے۔ یہ ثقافت میں جغرافیے کی اہمیت منوانے کا سوال ہو، یا نظریے کی اوّلیت جتانے کا، دونوں تعین سازی کی اس کوشش کا حصہ ہیں، جو قومیت کے چوتھے دور سے تعلق رکھتی ہے۔

قیامِ پاکستان کے فوری بعد یہاں ریاست کو مختلف معاشی، سیاسی، انتظامی اور سماجی مسائل کا سامنا تھا۔ سیاسی ڈھانچے اور انتظامی ساختوں کو بنانا اور مستحکم کرنا ضروری تھا۔ یہ عملی نوعیت کے مسائل تھے، جن پر پہلی دو دہائیوں میں خصوصاً توجہ دی گئی۔ آبادکاری، مہاجرین اور معیشت کے علاوہ خارجہ پالیسی اور دیگر ریاستوں سے تعلقات کو استوار کرنے کا کام کیا گیا۔ ایک طویل جدوجہد کے بعد برعظیم کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن حاصل کر لیا گیا، تو 'قومی ثقافت' کا سوال ابھر کر سامنے آیا۔ یہ سوال قومی ریاست (Nation State) کے تصور سے پیدا ہوا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد استعمار سے آزادی حاصل کرنے والے ملکوں نے اپنی صورت گری اُن پیمانوں پر کرنا چاہی جو اُس وقت یورپی ملکوں میں اور استعمار کی برکت سے خود مستعمری (Colonized) ملکوں میں مقبول تھے۔ قومی ریاست کے تصور کے اپنے مضمرات تھے۔ یہ خیال سامنے آیا کہ ہر قومی ریاست کی ایک زبان، ایک ثقافت، ایک ترانہ، ایک جھنڈا، ایک قومی جانور، ایک پھول اور ایک قومی جوس... کا ہونا ضروری ہے۔ اس تصور کے عقب میں یہ مفروضہ کام کر رہا تھا کہ ہر قوم دوسری قوم سے منفرد ہوتی ہے۔ اس انفراد کے سبب ہی اسے ایک 'قوم' کا درجہ ملتا ہے، جو اسے دیگر قوموں سے ممیّز کرتا ہے۔ اس امتیاز کو قائم کرنے کے لیے مختلف قومی علامتوں کا ہونا لازمی ہے۔ ایسی علامتیں تلاش یا وضع کی جاتی ہیں۔ اردو میں ثقافت کے حوالے سے ہونے والے مباحث (پاکستان میں) اسی ضرورت اور تصور سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ ایک سیاسی اور عملی ضرورت تھی۔ ایسے موقع پر لازم آیا کہ ثقافت کے خدوخال میں ماضی سے اپنے رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے شخصیات، واقعات، جغرافیوں، رسم و رواج، علم و فکر اور عقائد کا انتخاب کیا جائے۔

قیامِ پاکستان کے بعد دیگر مسائل کے جلو میں ثقافت کا مسئلہ بھی در آیا۔ ایسا نہیں کہ پاکستان میں بسنے والے ثقافت سے عاری تھے، وہ ننگ دھڑنگ، غاروں میں رہنے والے، پتے کھانے والے اور غوں غاں کرتے جانور نما انسان تھے، جنھیں ایک ثقافت میں ڈھال کر مہذب بنانا تھا، بلکہ یہ سوال قومی ریاست کے تناظر میں ابھرا، کہ پاکستان کے لوگوں کی کوئی 'قومی ثقافت' ہے بھی یا نہیں؟ اگر نہیں ہے، تو اسے کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ یا اگر مختلف ثقافتیں موجود ہیں، تو ان کے اجتماع سے، یا انھیں کسی مقصد کے تحت ایک نئی متحد ثقافت میں کیسے ڈھالا جا سکتا ہے؟ یہ اہم سوال تھے۔

پاکستان ان مباحث میں ایک جغرافیائی حقیقت تھا، اس کو ثقافتی سطح پر تعمیر کرنا ابھی باقی تھا، جس کے لیے ثقافتی حکمتِ عملیوں اور علامت سازی کی ضرورت تھی۔ اس کی تاریخ کیا اس کے جنم (۱۹۴۷ء) سے شروع ہو گی، کیا یہ عدم سے وجود میں آیا ہے، یا ماضی سے 'کچھ' اس کی تاریخ کا حصہ بنایا جا سکتا ہے؟ ان سوالوں پر غور کرنے والے دانشوروں کے سامنے یہ حقائق موجود تھے، کہ ملک کے پانچ صوبوں کے لوگوں کے طرزِ بود و ماند میں مماثلتیں اور افتراقات پائے جاتے ہیں۔ ان کا اس ساری صورتحال میں پاکستانی ثقافت کے خدوخال نمایاں کرنا اور اس کے 'تعین' کی کوشش کرنا، اہمیت کا حامل ہے۔ اس ذیل میں جو کوششیں ہوئیں، ان پر تحریکِ پاکستان میں نمایاں ہونے والے تصورات اور سیاسی جدوجہد کے وقت بنائے گئے مقاصد، لائحہ عمل، علامتوں اور حکمتِ عملیوں نے خاطر خواہ اثرات مرتب کیے۔ اس تناظر میں جب ان مباحث کو دیکھا جاتا ہے، تو ان کا مزاج عملی اور خواہش زدہ نظر آتا ہے۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد قوم کو ایک تصور، نظریے یا ایجنڈے کے تحت جمع کرنا، ثقافت کی قومی تشکیل کی جانب اہم قدم تھا۔ اس حوالے سے مرکزی سوال یہ تھا کہ کیا پاکستان کی کوئی قومی ثقافت ہے؟ لکھنے والوں نے اس سوال کا جواب اپنے اپنے زاویے سے دینے کی کوشش کی۔ تاریخی اعتبار سے ان جوابات کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا مرحلہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی مشترکہ ثقافتی روایت کی بازتشکیل (Reconstruction) کا ہے، جبکہ دوسرا مرحلہ ۱۹۷۱ء کے بعد کی جغرافیائی حدود کی بنا پر ثقافت کی دریافت کا ہے۔

پہلے مرحلے کے ضمن میں شیخ محمد اکرام کی مثال لی جاسکتی ہے۔ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں قومی ثقافت کے حوالے سے شیخ اکرام جن علاقوں کے ثقافتی اشتراک کا ذکر کرتے ہیں، ان میں ملتان، لاہور اور پشاور کے علاوہ سونار گاؤں (ڈھاکہ کے قریب ایک قصبہ) کو خاص طور پر شامل کرتے ہیں۔ ان علاقوں میں ثقافتی اشتراک کی بنیاد، ان کے نزدیک مذہب ہے۔(۲) مذہبی اعتبار سے وہ بھارت کے مسلم تشخص کے حوالے سے معروف شہروں، دہلی، لکھنؤ، عظیم آباد اور حیدرآباد وغیرہ کا ذکر نہیں کرتے، تاہم پاکستان کی جغرافیائی حدود کو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ ڈھاکہ کے ایک گاؤں کی ثقافت کی مغربی پاکستانی علاقوں سے ثقافتی مماثلت کو تلاش کر لیتے ہیں۔

اردو میں ثقافت کے مباحث کو مہمیز دینے اور دانشورانہ روایت کے مرکزی دھارے میں لے کر آنے والوں میں محمد حسن عسکری کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی نظر میں پاکستانی ثقافت، اسلامی ثقافت ہے۔ اس کے خدوخال کی وضاحت میں وہ عربی ثقافت کی اہمیت کو نمایاں کرتے ہیں اور اسلامی ثقافت کے ضمن میں خلافتِ راشدہ کی عمدہ ترین مثالوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ اسلامی ثقافت کو علیحدہ اور دیگر ثقافتوں سے کٹا ہوا نہیں سمجھتے، اس کا دیگر ثقافتوں سے تعلق، ان سے اکتساب اور نفوذ پذیری بھی ایسی خصوصیات ہیں، جو اُن کی نظر میں اسلامی ثقافت کا حصہ ہیں۔ اسلامی ثقافت کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے لکھا:

> ''بات یہ ہے کہ اسلام نے چند بنیادی خیال پیش کر دیے تھے اور مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ان خیالات کو پیشِ نظر رکھ کر دنیا کے ہر حصے سے علم حاصل کرو، جو اور کو آتا ہو، وہ ان سے سیکھو جو تمھیں آتا ہو، وہ اوروں کو سکھاؤ، سچے اسلامی کلچر کی بنیاد تو یہ ہے۔''(۳)

اسلامی اور ہندوستانی ثقافت نے مل کر جس ترکیب کو جنم دیا، اسے عسکری 'ہند اسلامی' ثقافت قرار دیتے ہیں۔ اس کی وضاحت کے لیے وہ اس کے دو مظاہر کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں، 'مغل عمارتیں' اور 'اردو زبان'۔ ان کی نظر میں ہند اسلامی کی ترکیبی خصوصیات ان دو نمونوں میں ڈھل کر سامنے آئی ہیں۔ یہیں سے وہ استنباط کرتے ہیں، کہ پاکستانی ثقافت بھی ہند اسلامی ثقافت ہے اور اردو اس ثقافت کا نمایاں وصف ہے۔ پاکستانی جغرافیے کی مقامی ثقافتوں کے حوالے سے اُن کا نقطہ نظر بظاہر غیر جانبدار ہے، کہ وہ ان کو ختم کرنے کی بات نہیں کرتے اور نہ انھیں کامل نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ مقامی ثقافتوں کو زندہ رکھنے کے حق میں ہیں، لیکن مضمون میں وہ یہ جملہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ ''ایک بڑی کلچری روایت میں شامل ہونے کی بات ہی اور ہوتی ہے، جو اپنے علاقے تک محدود ہونے سے حاصل نہیں ہوسکتی۔''(۴)

اس جملے سے برآمد ہوتا ہے کہ وہ مقامی ثقافتوں کو چھوٹی روایتیں سمجھتے ہیں، جو اپنے جغرافیے میں قید ہیں اور ان کے مقابلے میں ہنداسلامی ثقافت (اردو) ایک بڑی کلچری روایت ہے۔ یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ مختلف دیسی ثقافتوں میں کیا ہنداسلامی ترکیبی عناصر موجود نہیں؟ کیا سندھ، بلوچستان، خیبر، پنجاب اور بنگال ہند کا حصہ نہیں رہے، یا یہاں اسلام کے اثرات نہیں، کہ انھیں ہنداسلامی کہنے سے گریز کیا جائے، پھر یہاں کی ادبی روایت جو چودھویں سے اٹھارویں صدی تک بھرپور اور واضح مثالیں پیش کر چکی، اسے کیوں خفیف سمجھا جائے۔ اس پر مستزاد وادیِ سندھ میں اسلام کی آمد بھی شمالی اور وسطی ہندوستان سے پہلے ہوئی، بڑے صوفیانہ سلسلے (قادری، سہروردی) بھی یہاں پہلے قائم ہوئے۔ اگر انھیں بھی ہنداسلامی سمجھ لیا جائے، تو عسکری کے تصور کا تناقض دور ہو جاتا ہے۔

سید عبداللہ پاکستانی ثقافت کے باب میں عسکری کے ہم خیال ہیں۔ ان کی نظر میں پاکستانی ثقافت کا نمایاں ترین وصف اسلام ہے۔ ان کی تحریر میں بھی ہنداسلامی کلچر کا تصور موجود ہے۔ وہ وضاحت کرتے ہیں کہ مسلمان بطور فاتح ہندوستان میں داخل ہوئے۔ اُس دور میں فاتح کی ثقافت مفتوح کی ثقافت سے یکسر مختلف تھی۔ کاش سید عبداللہ یہ بھی واضح کر دیتے کہ ان کی مراد آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں کی آمد سے ہے؛ گیارھویں صدی میں غزنویوں کے آنے سے؛ یا سولھویں صدی میں مغلوں کے ورود سے؟ یہ سوال کیا جانا چاہیے کہ کیا یہ تمام فاتحین ایک ہی ثقافت کے نمائندہ تھے؟ کم از کم سید کی نظر میں تو ایسا ہی ہے۔ فاتح کی ثقافت کا امتیاز دکھانے کے لیے، وہ لباس کی مثال دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں مسلمانوں کے لباس میں سپہ گری کا ذوق، بدن کی پھرتی، چستی اور رعب وداب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس بنیاد پر وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسلمانوں کا لباس ''تورانی وضع کے زیادہ قریب ہے۔''(۵) اس تصور میں وہ برِعظیم کی دیسی آبادی کو ''مسلمانوں'' میں شامل نہیں کرتے، جو مذہب تبدیل کر کے اسلام میں داخل ہوئی، کہ ان کی نظر صرف فاتح مسلمانوں پر ہے۔

اپنے ایک دوسرے مضمون ''کلچر اور قومیت'' میں ڈاکٹر سید عبداللہ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ پاکستان میں ایک ایسے 'مربوط' کلچر کی ضرورت ہے، جس میں مختلف رنگوں کی موجودگی کے باوصف، ان سب کے امتزاج سے ایک ہیئتِ واحدہ کی تشکیل ہوتی ہو۔ پاکستانی ثقافت کے تین بنیادی اجزا کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''اوّل اسلام کے آدابِ معاشرت، جو مسلمانوں کے پرسنل لاء، اعتقادات اور قرآنی اخلاق اور سنتِ نبوی ﷺ سے پیدا ہوئے۔ دوم مقامی طریقے جو کچھ تورانیوں، مغلوں اور ایرانیوں کے طرز زندگی سے بچ بچا کر ہم تک پہنچے ہیں۔ سوم مغربی ثقافت کے اثرات۔''(۶)

ثقافت کے حوالے سے فرد کی اہمیت کو یکسر نظر انداز کر دینا، اِس کی تشکیل میں اُس کے کردار کو پسِ پشت ڈالنا اور کسی اثر کو قبول کرتے ہوئے، انسانی 'انتخاب' اور 'ذوق' کی موجودگی کو غیراہم سمجھنے سے 'اثرات' ہی مرکزی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ یہ ثقافت کی تعمیر میں انسانی اختیار (Agency) اور تخلیق کو مکمل نظر انداز کرنا ہے۔ ثقافت غیراہم، اس پر اثرات اہم؛ فرد معمولی، اس پر مرتسم ہونے والے اثرات غیر معمولی، اسی سبب سے ان پر

توجہ مرکوز رہتی ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال یہاں نظر آتی ہے، پاکستانیوں کو ثقافت کی تعمیر و تشکیل میں منفعل تصور کیا گیا ہے، جن کا کام بس اثرات قبول کرتے جانا ہے۔ یوں پاکستانی ثقافت مختلف بیرونی ثقافتوں کا محض '**حاشیہ یا بچا کھچا مال**' بن کر رہ جاتی ہے۔ اس تصویر میں بادشاہ کا دین ہی عوام کا دین جیسے تصور کی بازگشت نظر آتی ہے۔ ہوسکتا ہے اشرافی ثقافت (Elite Culture) میں ایرانی، تورانی اثرات ہوں، مغلیہ آداب کی جھلک بھی وہیں زیادہ جلوہ نما ہو سکتی ہے۔ دیہات کی اکثریتی آبادی کو اس طرح ماخوذ ثقافت کے تحت زندگی گزارتا ہوا دیکھنا، انھیں ثقافت کی بناوٹ (Production) میں کسی بھی طرح کے عمل دخل سے محروم سمجھنا ہے۔ دیہاتی ثقافت مقامی ضرورتوں سے پیدا ہوتی ہے، جس میں جغرافیہ، موسمی حالات اور روز مرہ اہم کردار ادا کرتے ہیں، اور زندگی کرنے والوں کی سمجھ بوجھ اور خلاقی بھی اسے تشکیل دینے میں مرکزی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس لیے سید عبداللہ کے اس بیان کو آبادی کے قلیل حصے کے لیے قبول کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے بھی یہی فرض کرنا پڑے گا، کہ یہ تمام لوگ جو اس بچ بچا کر پہنچی ثقافت کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ مثالی قسم کے مقلد ہیں۔ وگرنہ ہندوستان میں زمانہ قبل از تاریخ سے ہی بستیوں کے آثار ملنا شروع ہو جاتے ہیں اور بستی بسانا ثقافت کے ارتقا میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بستی بسنے کا عمل خاندان اور قبیلے کی صورت گری کرنے کا اہم ترین مرحلہ ہے، جب باہمی تعلقات اور رشتوں سے منسلک اقدار بھی پروان چڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ ان سادہ اور چھوٹی بستیوں کے علاوہ برعظیم میں عموماً اور وادیِ سندھ میں خصوصاً دنیا کی قدیم ترین ترقی یافتہ تہذیبوں کے آثار کی موجودگی بھی یہاں کی ثقافتی ذرخیزی، تنوع، تخلیق اور خود اعتمادی کی دلیل ہیں، جو اس بات پر دال ہیں کہ برعظیم کے باشندے بچا کھچا مال نہیں، ان کی اپنی حیثیت مسلم ہے۔

ثقافت میں عقائد کی اہمیت کو بنیادی حیثیت دینے والوں میں ڈاکٹر جمیل جالبی بھی شامل ہیں۔ عسکری کی مانند ان کے نزدیک بھی پاکستانی ثقافت کے دو نمایاں ترین مظہر اسلام اور اردو زبان ہیں۔ اپنے مضمون ''قومی کلچر اور مسائل'' میں وہ پاکستان کو درپیش مختلف مسائل کی بنیادی وجہ صوبائیت اور باہمی نفرتوں کو قرار دیتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر ہے کہ پاکستانی قوم کو مسلم قومیت کی بنا پر ایک وحدت میں پرونے کے جس عمل کا خواب ۱۹۴۷ء میں دیکھا گیا تھا وہ 'علاقائی قومیت' کی نظر ہو گیا۔ ان کی رائے میں علاقائی شناخت پر اصرار کرنا **دراصل** نفرت، تنگ نظری، تعصب، منافقت، ناانصافی، حیوانیت اور خود غرضی جیسی منفی اقدار کو فروغ دینے کے مترادف ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں ایک قومیت کی بات کرنا محبت، فراخ دلی، انصاف، محنت، انسانیت اور ایثار ایسی مثبت قدروں کا التزام کرنا ہے۔ پاکستانی قومیت کی بنیاد ان کی نظر میں دو قومی نظریہ ہے، اسی لیے وہ پاکستانی قومیت کی وضاحت کے لیے مسلم اور ہندو قومیت میں موجود افتراقات پر خصوصاً اصرار کرتے ہیں۔ (۷)

پاکستانی ثقافت کی وضاحت کرتے ہوئے وہ رقم طراز ہیں ''مسلمان خواہ کسی علاقے کا رہنے والا ہو، ایک ہی قوم کا فرد ہے۔'' اس جملے میں وہ قومیت کی بنیاد مذہب کو بتا رہے ہیں۔ یہ بات اسلامی تہذیب کے حوالے سے زیادہ معتبر ہے، پاکستانی ثقافت کا جب ذکر کیا جائے گا، تو اس کی ایسی خصوصیات اور مظاہر کو واضح کرنا ضروری ہو

جائے گا، جو اسے دیگر غیر مسلم ثقافتوں کے ساتھ ساتھ اسلامی ملکوں کی ثقافتوں سے، مماثلت کے باوصف، الگ کر سکیں۔ جہاں تک مذہبی شعائر کا تعلق ہے، تو تمام اسلامی ملکوں میں ان کے حوالے سے یکسانیت موجود ہوگی، جیسے نماز ہر مسلم ثقافت کا حصہ ہے، تاہم محض عبادات کو کل ثقافت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستانی ثقافت بہر حال انڈونیشیائی ثقافت سے، مسلم ہونے کے باوجود، مختلف ہے۔

صوبائیت اور نفرت کے امتزاج کا سوال ثقافتی سے زیادہ سیاسی مسئلہ ہے۔ پاکستان کی مختلف صوبائی ثقافتوں میں اقدار، طرزِ بود و ماند اور فکری سطح پر مماثلتوں کا ایک گراں قدر سرمایہ موجود ہے، جس کا ثبوت ان کے متعلقہ ادبی سرمائے میں موجود مشترک موضوعات میں دیکھا جا سکتا ہے۔(۸)

پاکستانی ثقافت میں عقائد کی اساسی اہمیت ثابت کرنے والوں میں ایک نام سید محمد تقی کا بھی ہے۔ ان کا طریقہ کار تاریخی ہے، جس میں پاکستانی ثقافت کی تاریخی تعمیر کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس تجزیے میں انتخاب کا عمل نظر آتا ہے، جو علامت سازی اور پاکستانی ثقافت کے 'تعین' میں ان کی کوششوں کے رُخ اور مقاصد کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کی ہندوستان آمد کے وقت اپنے ساتھ آٹھ ہزار سالہ تہذیبی روایت لانے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ مصر، بابل اور نینوا کے ساتھ عربی اور ایرانی عناصر پر مشتمل، مسلسل نشو و ارتقا حاصل کرتی، متحرک تہذیبی روایت تھی۔ اس کے مقابلے میں ہندو روایت، ان کے خیال میں انجماد کا شکار تھی۔ اس بنا پر وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مختصر وقت میں ہی مسلمانوں کی تہذیب ہندو تہذیب پر غالب آ گئی۔ دونوں تہذیبوں کے ملن سے ثقافتی نفوذ کا عمل ہوا۔ اس باہمی لین دین میں 'فلسفیانہ، سماجی اور مجلسی' سطح پر تبادلہ ہوا، اس پر انھوں نے اضافہ کیا کہ یہ ''لین دین دو طرفہ تھا۔''(۹) ایک دوسرے مضمون میں سید محمد تقی نے انھی تصورات کی تکرار کی ہے۔ انھوں نے دکھانے کی کوشش کی کہ اسلامی تہذیب کی آبیاری میں مختلف علاقائی ثقافتوں نے کس طرح حصہ لیا اور اسے مضبوط بنانے میں قدیم تہذیبی روایت نے حصہ ڈالا۔ پاکستانی ثقافت ان کی نظر میں وہ تاریخی تجربہ ہے، جس سے برعظیم کے مسلمان گزرے ہیں۔ ثقافت میں تاریخی تجربے کو اہمیت دینے کے بعد وہ اس کی جغرافیائی حیثیت پر بات کرتے ہوئے وادئ سندھ کو پاکستان کا جغرافیائی ورثہ خیال کرتے ہیں، لیکن ان کے خیال میں موجودہ پاکستانی ثقافت پر اس کے کوئی تہذیبی اثرات نظر نہیں آتے۔(۱۰)

سید محمد تقی نے ثقافت کے خد و خال نمایاں کرتے ہوئے ماضی سے جن عناصر کا انتخاب کیا ان میں تاریخی عناصر کو اہمیت دی، اس میں بھی صرف برعظیم سے تعلق نہ رکھنے والی تاریخ ہی ان کے تصورِ ثقافت میں جگہ پاتی ہے۔ برعظیم کی تاریخ کے تہذیبی ورثے کو وہ بس جغرافیے میں رکھتے ہیں اور اس کے ثقافتی اثرات کو ماننے سے انکاری ہیں۔ اس انتخاب میں اگر مذہب کو بنیاد بنایا جاتا، تو ایک حد تک جواز نکل سکتا تھا، کہ برعظیم میں چونکہ مختلف مذہبی روایت رہی ہے، اس لیے شاید، اس کے اثرات موجودہ پاکستانی ثقافت پر نہیں ہیں، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ سید محمد تقی نے قبل از اسلام کی آٹھ ہزار سالہ تہذیبی روایت کو پاکستانی تہذیب پر اثر انداز ہوتے ہوئے دکھایا ہے، تو یہ بات عجیب لگتی ہے۔ دوسرے خطوں کی آٹھ ہزار برس کی تہذیبی روایت کے اثرات تو ان کو پاکستانی ثقافت میں نظر آ

جاتے ہیں، لیکن چار ہزار برس پرانی تہذیبی روایت، جو اس خطے میں پیدا ہوئی، اس کے کوئی اثرات ان کی نظر میں موجودہ تہذیب پر نہیں پڑے۔ ان کے اس 'انتخاب' سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید عبداللہ کی طرح وہ بھی پاکستانی ثقافت کو ماخوذ ثقافت سمجھتے ہیں، جس کی تشکیل میں اس کے باسیوں کا کوئی قابلِ ذکر حصہ نہیں۔

ڈاکٹر احسن فاروقی بھی ثقافت کے ضمن میں بیرونی اثرات کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے تصورات سے اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ پاکستان کی مختلف ثقافتوں کو کم تر سمجھتے ہیں۔ انھوں نے پاکستان کے مقامی باشندوں کے طرزِ حیات کو 'فوک ویز' (Folk Ways) کہا ہے اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ ماضی میں 'عرب اسلامی ثقافت' نے ان دیسی ثقافتوں کی توسیع اور بہتری میں کردار ادا کیا اور ماضی قریب میں مغربی ثقافت اور ٹیکنالوجی ان ثقافتوں میں تنوع اور نشو و ارتقا لانے کا سبب بنی۔ اس بنیاد پر وہ مشورہ دیتے ہیں کہ 'پاکستان کی ترقی' اس میں ہے کہ ''وہ علاقائی فوک ویز کو اسلامی کلچر سے قریب لانے کے لیے بدلتا اور ترقی کرتا رہے''۔ ٹیکنالوجی کی ترقی کو بھی وہ ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتے، اسی لیے تکنیکی ترقی کے سبب سے فوک ویز کے مسلسل بدلتے جانے کو بھی وہ پسندیدگی سے دیکھتے ہیں۔(۱۱)

ڈاکٹر سلیم اختر پاکستانی ثقافت میں ''خالص اور پاک اسلام'' کی عدم موجودگی پر متاسف ہیں۔ پاکستانی کلچر پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ بیان دیتے ہیں کہ انھیں یہاں ایسی کوئی شے نظر نہیں آتی۔ کلچر ان کے خیال میں ''مذہب، قومی فخر و ناز، جغرافیائی حالات اور مخصوص ادوار کے اقتصادی اور سیاسی کوائف'' کے نتیجے میں پیدا ہونے والے قومی شعور سے تشکیل پاتا ہے۔ اس کا یہ سفر اور مدارج پاکستانی کلچر میں انھیں تلاش کے باوجود نہیں ملتے۔(۱۲) ثقافت پر بات کرتے ہوئے وہ بعض ایسے بیانات دے جاتے ہیں، جن میں برِعظیم کے باشندوں کو ثقافت اور سیاسی اقتدار سے ہی محروم کر دیتے ہیں۔ ایسے بیانات کی پہلی مثال: ہندوستان پر اس کے باشندوں کی کبھی حکومت نہیں رہی۔ یہ بیان کئی حوالوں سے محلِ نظر ہے۔ ثقافت ہر انسانی گروہ تخلیق کرتا ہے، کیوں کہ معنی کے بغیر کسی انسانی دنیا کا تصور نہیں کیا جا سکتا، ایسا تصور بھی معنوی دنیا سے علاقہ رکھتا ہے۔

ثقافت کے نظری پہلو پر تمام تر زور صرف کرنے سے اس کا عملی اور تجرباتی (Lived Experience) پہلو نظر انداز ہو جاتا ہے۔ ثقافت معنوی نظام ہے، تو اس کی عملی صورت وہ سماج ہے، جس میں افرادِ ثقافت زندگی کرتے ہیں۔ نظری پہلو اگر متعینہ ہے تو اس کے نتیجے کو کیوں کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ پھر ثقافت جامد نہیں، اس کا ایک نمایاں وصف تحرک (Mobility) ہے۔ اس کی مستند، معیاری اور اصولی خصوصیات پر توجہ، اس بنیادی وصف کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ ثقافت میں عموماً اور اسلامی ثقافت میں خصوصاً سیاسی فتوحات اور تبلیغی فروغ کی وجوہ سے جغرافیائی اور سماجی تحرک تاریخی اعتبار سے ثابت ہے۔ جغرافیہ اگر ایک ثبوت فراہم کرتا ہے، تو فقہ اور تفسیر کا زمانی و مکانی تنوع دوسرا ثبوت بہم پہنچاتا ہے، جس میں گزرتے وقت، بدلتے حالات اور تبدیل ہوتے جغرافیوں نے خاطر خواہ اثرات مرتب کیے۔ اس سے جو تصویر بنتی ہے، وہ تکثیر، تنوع، پیچیدگی اور عدم ارتکاز کی ہے۔ جب کہ اوپر کی گئی بحثیں اس ثقافت کو زمان و مکان سے علیحدہ، 'جامد' تصور کرتی ہیں، جو انسانی زندگی اور ثبات اک تغیر کو ہے زمانے کے عمومی اصول سے انکار کے مترادف ہے۔

ان بحثوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستانی ثقافت کا تعین کرتے ہوئے ایک گروہ مذہب اور بیرونی ثقافتوں کو مرکزی اہمیت دینے کا خواہاں ہے، تو دوسرا تاریخی اور جغرافیائی حقائق کی بنیاد پر مقامی ثقافتوں کو بھی قومی ثقافت کے مباحث میں شامل کرنے کا خواہش مند ہے، ان دونوں رویوں کے انضمام سے ثقافت کے بارے جامع اور متوازن انداز میں کام کیا جا سکتا ہے۔

ثقافت کے عینی پہلو کی اہمیت یوں واضح ہے کہ زندگی کے روزمرہ تجربے میں گہرائی، گیرائی اور ارفعیت اسی سے پیدا ہوتی ہے اور زمینی عناصر اس لیے ضروری ہیں، کہ اونچی پتنگ اڑانے کے لیے اس کا زمین سے رشتہ ہونا لازمی ہے، درخت زمین میں پیوست ہو، تو آسمان کی طرف اٹھتا ہے، ثقافت کا بیج زمین سے پھوٹتا اور آسمان کی طرف جاتا ہے، زمین سے اس کا رشتہ منقطع کرنے سے اس کی نشو ونما رک جاتی ہے اور سورج کی شعاعیں نہ ہونے سے بھی یہ پھلنا پھولنا بند کر دیتا ہے، سو ثقافت کا پودا مناسب زمین اور دھوپ میں ہی برگ و بار لاتا ہے، اور زمین کے لے جہاں خوراک کی ضرورت ہے، وہیں، آزاد فضا بھی اتنی ہی اہم ہے۔

حواشی:

1. Clifford Geertz, "After the Revolution: The Fate of Nationalism in the new States" in The Interpretation of Cultures (New York: Basic Books, 1973), p238.

Crystallization: کیمیا میں اس سے مراد وہ عمل ہے، جس میں ایک مائع ٹھوس صورت اختیار کرتے ہوئے قلمیں بنالیتا ہے، اردو میں اس کے لیے 'قلماؤ' مستعمل ہے، تاہم یہاں یہ لفظ ہماری زیادہ مدد نہیں کرتا، اس لیے ہم نے قلماؤ کی بجائے 'یک جہتی' کو استعمال کیا ہے۔؛ استعماریت سے آزادی کے بعد نئی ریاستوں میں پیدا ہونے والے اہم رجحانات کی بابت مظفر علی سید نے لکھا: ''نو آزاد ممالک مابعد استعمار کے دور میں، جن مسائل سے دو چار ہوتے ہیں ان میں اپنی قومی شخصیت کی بازیافت اور اپنے تہذیبی وجود کا اظہار سرِ فہرست ہوتا ہے [...]۔'' مظفر علی سید، ''تہذیبی قومیت اور ادب، تیسری دنیا میں،'' صحیفہ (جولائی ستمبر ۱۹۸۳ء): ص ۲۴

۲۔ شیخ محمد اکرام، ''ثقافتِ پاکستان،'' مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، مرتبہ اشتیاق احمد (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۷ء)، ص ۴۷۔۳۳

۳۔ محمد حسن عسکری، ''پاکستان کا کلچر،'' مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ۶-۲۱

۴۔ ایضاً

۵۔ سید عبداللہ، ''اسلامی ہند کلچر،'' مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ص ۵۶-۲۲۴

۶۔ سید عبداللہ، ''کلچر اور قومیت،'' مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ص ۶۴-۲۵۷

۷۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ''قومی کلچر کے مسائل''، مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ص ۹۵-۱۸۸

۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: محکمہ فلم و مطبوعات، مرتب، وحدتِ افکار: علاقائی زبانوں کے قدیم اور جدید شعری ادب کا انتخاب (اسلام آباد: محکمہ فلم و مطبوعات، وزارتِ اطلاعات و نشریات حکومتِ پاکستان، س.ن.)۔ اس کتاب میں پاکستان کے مختلف علاقوں کے شعری سرمائے سے موضوعاتی مماثلتوں کو بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ پاکستان کی علاقائی زبانوں کے شعری سرمائے میں عقیدت، تصوف، اسلامی اقدار اور وطن کی محبت جیسے موضوعات کی مثالیں لے کر شاملِ کتاب کی گئی ہیں۔

اگر صوبوں کے درمیان کسی معاملے پر اختلاف ہوتا ہے، تو اس کی بنیاد ثقافتی یا سماجی سے زیادہ سیاسی اور معاشی ہوتی ہے۔ سیاسی مسائل کا مختلف گروہوں کے درمیان موجود رہنا فطری امر ہے، جہاں انسانی بستیاں ہوں وہاں مفادات کا ٹکراؤ ہوتا ہے، اس ٹکراؤ کا نتیجہ سیاسی مسائل کی صورت میں نکلتا ہے۔ ان کے حل کے لیے کسی ایک گروہ کی ثقافت پر اصرار کی بجائے، ان مسائل کی طرف سنجیدگی اور افہام و تفہیم کا رویہ اپنانے کی ضرورت ہے۔ نفرت کا جذبہ اپنی ناک سے آگے دیکھنے سے کم ہوتا ہے۔ اپنے علاوہ دیگر گروہوں کو مخالف کی بجائے مختلف کی اصطلاحوں میں سمجھنے سے، معاملات میں نرمی لائی جا سکتی ہے۔ یوں مختلف ثقافتوں میں رہتے ہوئے بھی دیگر ثقافتوں کو سمجھا جا سکتا ہے اور احترام کے رویے سے باہمی قربت بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔

۹۔ سید محمد تقی، ''پاکستانی تہذیب کا مسئلہ''، مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ۱۲۹

۱۰۔ سید محمد تقی، ''مسلم کلچر''، مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ۶-۱۲۴

۱۱۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، ''کلچر: ایک ارتقا''، مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ۵-۱۷۰

۱۲۔ ڈاکٹر سلیم اختر، ''پاکستانی کلچر کا مسئلہ''، مشمولہ کلچر: منتخب تنقیدی مضامین، ص ۸۰-۱۷۶

مآخذ:

۱۔ سبطِ حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، کراچی: کتب پرنٹرز، ۱۹۷۵ء۔

۲۔ فاروق عثمان، اردو ناول میں مسلم ثقافت، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲ء۔

۳۔ قدرت اللہ فاطمی، پاکستانی قومیت: جغرافیائی و تاریخی تجزیہ، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۲ء۔

۴۔ A. H. Dani, Dr., *"Art and Culture," in Culture of Pakistan*, ed. Dr. Laeeq Babree, Lahore: Sang-el Meel Publications, 1977.

۵۔ Clifford Geertz, *"After the Revolution: The Fate of Nationalism in the new States" in The Interpretation of Cultures,* New York: Basic Books, 1973.